

# سلسلة قریان



سید ابوالاعلیٰ ہودودی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مسئلہ قربانی

### شرعی اور عقلی نقطہ نظر سے پاکستان میں قربانی کے خلاف مہم

کئی سال سے مسلسل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہر بقیر عید کے موقع پر اخبارات اور رسالوں کے ذریعہ سے بھی اور اشتہاروں اور پمپلٹوں کی صورت میں بھی قربانی کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان اٹھایا جاتا ہے اور ہزاروں بندگان خدا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا جاتا ہے کہ یہ کوئی دینی حکم نہیں ہے بلکہ ایک غلط اور فقصان دہ رسم ہے جو ملاوں نے ایجاد کر لی ہے۔ اس وسوسہ اندازی کے خلاف قریب قریب ہر سال ہی علمائی طرف سے منکر کی پوری وضاحت کر دی جاتی ہے، قربانی کے ایک حکم شرعی ہونے، مسنون اور واجب ہونے کے دلائل دیے جاتے ہیں، اور مخالفین کے استدلال کی کم زور یا کھول کر کھدی جاتی ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ سب کچھ ہوچکنے کے بعد دوسرے سال پھر دیکھا جاتا ہے کہ وہی لگی بندھی باتیں اسی طرح دہرائی جا رہی ہیں، گویا نہ کسی نے قربانی کے مشروع ہونے کا کوئی ثبوت دیا اور نہ اس کے خلاف دلیلوں کی کوئی کم زوری واضح کی۔ بلکہ اب تو ایک قدم اور آگے

بڑھا کر حکومت کو بے تکلف یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ قربانی کوازروئے قانون محدود کرنے کی کوشش کرے۔

## اس پروپریگنڈے کا اثر ہندی مسلمانوں پر

ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جو ابھی چند سال پہلے تک متحده ہندوستان کا ایک حصہ تھا۔ ہماری سرحد کے اس پار ہمارے کروڑوں دینی بھائی اب بھی سابق متحده ہندوستان کے اس حصے میں موجود ہیں جس سے ہم الگ ہوئے تھے۔ انھیں آج بھی اسی قوم سے سابقہ درپیش ہے جس سے کبھی ہمیں درپیش تھا، بلکہ وہ آج تقسیم سے قبل کی نسبت بدرجہ ایادہ کم زوری اور مغلوبی کی حالت میں بتلا ہیں۔ ان پر جس قوم کو غلبہ حاصل ہے وہ سال ہا سال سے گائے کی قربانی پر ہمارے ساتھ سرپھول کرتی رہی تھی، اور تقسیم کے بعد جب اسے مسلمانوں پر پورا قابو حاصل ہوا تو اس نے سب سے پہلے انھیں اسی حق سے محروم کیا۔ اب یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان جو ہندو تہذیب و تمدن کے تسلط سے مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو بچانے کے لیے بناتھا، وہی آگے بڑھ کر ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ راہ نمائی دے کہ ہمارا جگائے کی قربانی کیسی، آپ تو ہر قسم کی قربانی ازوئے قانون بند کر سکتے ہیں۔ یہ چیز سرے سے شعائر اسلام میں داخل ہی نہیں ہے کہ اسے روک دینے پر آپ کو کسی مذہبی تعصب کا الزام دیا جاسکے۔ حق بجانب وہ مسلمان نہیں ہے جو اسے اپنا مذہبی حق کہ کراس پر اصرار کرتا ہے، بلکہ وہ ہندو ہے جو اس غیر مذہبی رسم سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمیں تو پاکستان میں اس جاہل مسلم اکثریت سے سابقہ ہے، اس لیے یہاں ہم بر بنائے احتیاط بتدتن اسے محدود کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ کو تو کسی کا ڈر نہیں ہے۔ آپ یک قلم اسے مسدود فرمادیں۔ اس معاملے میں شریعت اسلام مسلمانوں کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہو گی۔

کس قدر جلد بھولے ہیں ہم اس حالت کو جس سے خدا نے ہمیں نکالا اور جس میں ہمارے کروڑوں بھائی بتلا ہیں۔ شاید برطانوی ہند میں ہندوؤں سے ہماری کش

مکش صرف اس لیے تھی کہ اپنی تہذیب کا جھنکا دوسروں سے کرانے کی بجائے ہم خود اسے حلال کرنا چاہتے تھے۔

## شیطانی ذوق تفرقہ اندازی

مسلمانوں میں اختلافات کی پہلے ہی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ تفرقوں کی ماری ہوئی قوم فی الواقع رحم کی مستحق تھی۔ کسی کے دل میں اس کی خیرخواہی کا جذبہ موجود ہوتا تو وہ یہ سوچتا کہ اس کے اختلافات میں اتفاق کی کوئی راہ دریافت کرے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ جو لوگ خیرخواہی کے ارادے یادوں سے اٹھتے ہیں وہ ان چیزوں میں بھی اختلاف کی راہیں نکال رہے ہیں جن میں خوش قسمتی سے مسلمانوں کے درمیان ابتداء سے آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملت کی صحیح خیرخواہی یہ ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی طرح اختلافی بنادیا جائے اور کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جائے جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ سب مسلمان اس میں متفق ہیں۔

قریبانی کا مسئلہ ایسے ہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے۔ پہلی صدی ہجری کے آغاز سے آج تک مسلمان اس پر متفق رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری پونے چودہ صدیوں میں آج تک اس کے شروع اور مسنون ہونے میں اختلاف نہیں پایا گیا ہے۔ اس میں ائمہ، اربعہ اور اہل حدیث متفق ہیں۔ اس میں شیعہ اور سنی متفق ہیں۔ اس میں قدیم زمانے کے مجتہدین بھی متفق تھے اور آج کے سب گروہ بھی متفق ہیں۔ اب یہ تفرقہ و اختلاف کا شیطانی ذوق نہیں تو اور کیا ہے کہ کوئی شخص ایک نزاکی بات لے کر اٹھے اور اس متفق علیہ اسلامی طریقے کے متعلق بیچارے عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ یہ تو سرے سے کوئی اسلامی طریقہ ہی نہیں ہے۔

## تفریق بین اللہ والرسول

پھر یہ اختلاف بھی کسی معمولی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک بہت بڑی فتنہ انگلیز بنیاد پر اٹھایا گیا

ہے۔ یعنی سوال یہ چھپیرا گیا ہے کہ یہ بقیدیکی قربانی آختم کس سند Authority پر کرتے ہو، قرآن میں تو اس کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں سند صرف ایک قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کوئی سند نہیں ہے۔ حالانکہ جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے، اُسی نے اپنارسولؐ بھی مبیوث کیا تھا۔ اس کا رسولؐ اسی طرح ایک اتحارٹی ہے جس طرح اس کی کتاب۔ اس کے رسولؐ کی اتحارٹی کسی طرح بھی اس کی کتاب کی اتحارٹی سے کم نہیں ہے، نہ وہ کتاب کے ساتھ کوئی خصیٰ جیشیت رکھتی ہے، نہ اس کے ذریعے سے دیے ہوئے کسی حکم کے لیے قرآن کی توثیق کسی درجے میں بھی ضروری ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ قرآن جس کی سند پر کلام اللہ مانا گیا ہے وہ بھی رسولؐ کی کی سند ہے۔ اگر رسولؐ نے یہ بتایا ہوتا کہ یہ قرآن خدا نے اس پر نازل کیا ہے تو ہمارے پاس نہ یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تھا اور نہ یہ ماننے کی کوئی وجہ تھی کہ یہ کتاب خدا کی کتاب ہے۔ اب یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ جو حکم رسولؐ نے دیا ہو اور جس طریقے پر رسولؐ نے خود عمل کیا اور اہل ایمان کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی ہو، اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کا حکم قرآن میں ہو تو ہم مانیں گے ورنہ پیروی سے انکار کر دیں گے؟ اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ خدا کی کتاب تو واجب الاتباع ہے مگر خدا کا رسولؐ واجب الاتباع نہیں ہے!

## منصب رسولؐ

یہ بات حقیقت کے خلاف بھی ہے اور سخت فتنہ انگیز بھی۔

حقیقت کے خلاف یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ محض ایک ڈاکیا بنا کر نہیں بھیجا تھا کہ آپ کا کام اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچادینے کے بعد ختم ہو جائے اور اس کے بعد بندے اللہ میاں کے نامہ گرامی کو لے کر جس طرح ان کی سمجھ میں آئے اس کی تعمیل کرتے رہیں۔ خود قرآن کی رو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی نوعیت کفار کے لیے الگ اور اہل ایمان کے لیے الگ ہے۔ کفار کے لیے آپ صرف مبلغ اور داعیِ الی اللہ ہیں۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئیں ان کے لیے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حاکیت

کے مکمل نہایت ہیں۔ آپ کی اطاعت عین اللہ کی طاعت ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ آپ کے اتباع کے سوا اللہ کی خوشنودی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ إِنَّ كُنْتُمْ تُحْبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوهُ نَيْجِبُكُمُ اللَّهُ [آل عمران:31] اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے معلم، مرتبی، راہ نما، قاضی، آمر وناہی اور حاکم مطاع، سب کچھ بنائے کر مامور فرمایا تھا۔ آپ کا کام یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے عقیدہ و فکر، مذہب و اخلاق، تمدن و تہذیب، معیشت و سیاست، غرض زندگی کے ہر گوشے کے لیے وہ اصول، طریقے اور ضابطے مقرر کریں جو اللہ کی پسند کے مطابق ہوں اور مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے سکھایا اور مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ رسول اللہ جو حکم دیں اس پر ان سے سند طلب کرے۔ رسول کی ذات خود سند ہے۔ اس کا حکم بجاۓ خود قانون ہے۔ اس کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ سوال کرنے کا بجا ذہنیں ہے کہ جو حکم رسول نے دیا ہے اس کا حوالہ قرآن میں ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی ہدایت خواہ اپنی کتاب کے ذریعہ سے دے یا اپنے رسول کے ذریعہ سے، سند اور وزن کے اعتبار سے دونوں بالکل یکساں ہیں اور قانون الہی ہونے میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

## رسالت کا غلط تصویر

بالکل غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، فیصلوں اور ہدایات کی قانونی حیثیت صرف اپنے عہد کے رئیس مملکت Head of the state ہونے کی بنا پر تھی۔ یعنی جب آپ رئیس مملکت تھے اس وقت آپ کی اطاعت واجب تھی اور اب جو رئیس مملکت یا مرکز ملت ہوگا اس کی اطاعت اب واجب ہوگی۔ یہ رسالت کا بدترین تصور ہے جو کسی شخص کے ذہن میں آسکتا ہے۔ اسلامی تصور رسالت سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ رئیس مملکت کے منصب کو آخر رسول کے منصب سے کیا نسبت ہے۔ اسے عام مسلمان منتخب کرتے اور وہی معزول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ حالانکہ رسول کو خدا مقرر کرتا ہے اور خدا کے سوا کسی کو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں۔ رئیس مملکت جس علاقے کا

رئیس ہوا اور جب تک اس منصب پر رہے صرف اسی علاقے میں اسی وقت تک اسے رئیس مانا واجب ہے اور پھر بھی اس پر ایمان لانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اسے نہ مانے تو ملت اسلام سے خارج ہو جائے۔ حالانکہ رسول جس آن مبعوث ہوا اس وقت سے قیامت تک دنیا میں کوئی شخص اس پر ایمان لائے بغیر ملت اسلامیہ کافر دنیہ بن سکتا۔ رئیس مملکت کو آپ دل میں براجان سکتے ہیں، اسے بر ملا بر اکہ سکتے ہیں، اس کے قول فعل کو علاوی غلط کہ سکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن رسول کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنا تو درکنار، اس کا نتیاں بھی اگر دل میں آ جائے تو ایمان سلب ہو جائے۔ رئیس مملکت کے حکم کو ماننے سے آپ صاف انکار کر سکتے ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ بس ایک جرم ہو گا۔ مگر رسول کا حکم اگر یہ جانے کے بعد کہ وہ رسول کا حکم ہے، آپ ماننے سے انکار کر دیں تو قطعی خارج از اسلام ہو جائیں۔ اس کے حکم پر تو آپ چون و چراک نہیں کر سکتے، بلکہ اس کے خلاف دل میں کوئی تنگی تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ رئیس مملکت عوام کا نمایدہ ہے اور رسول خدا کا نمایدہ۔ رئیس مملکت کی زبان قانون نہیں ہے بلکہ الٹا قانون اس کی زبان پر حاکم ہے۔ مگر رسول خدا کی زبان قانون ہے، کیوں کہ خدا اسی زبان سے اپنا قانون بیان کرتا ہے۔ اب یہ کیسا سخت طغیان جاہلیت ہے کہ رسول کو محض ایک علاقے اور زمانے کے رئیس مملکت کی حیثیت دے کر کہا جائے کہ اس کے دیے ہوئے احکام اور ہدایت بس اسی زمانے اور علاقے کے لوگوں کے لیے واجب الاتباع تھے، آج ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

## غلط تصور کی فتنہ انگلیزی

یہ تو ہے حقیقت کے خلاف اس تصور کی بغاوت۔ اب ذرا اس کی فتنہ انگلیزی کا اندازہ کیجیے۔ آج جس چیز کو آپ اسلامی نظام حیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کہتے ہیں، جس کے اصولوں اور عملی مظاہر کی یکسانی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک ملت بنارکھا ہے۔ جس کی یک رنگی نے مسلم کو مسلم سے جوڑا اور کافر سے توڑا ہے، جس کی امتیازی خصوصیات نے

مسلمانوں کو ساری دنیا میں غیر مسلموں سے ممیز کیا اور سب سے الگ ایک مستقل امت بنایا ہے، اس کا تجھریہ کر کے آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کا کم از کم ۱۰/۹ حصہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقتدار رسالت سے مسلمانوں میں رائج کیا ہے اور بمشکل ۱۰/۱ حصہ ایسا ہے جس کی سند قرآن میں ملتی ہے۔ پھر اس ۱۰/۱ کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس پر عمل درآمد کی صورت شریعت میں واجب الاتباع نہ ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی ہے تو دنیا میں مختلف مسلمان ..... افراد بھی اور گروہ بھی اور ریاستیں بھی۔ اس پر عمل درآمد کی اتنی مختلف شکلیں تجویز کر لیں کہ ان کے درمیان کوئی وحدت یک رنگی باقی نہ ہے۔ اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اگر وہ سب کچھ ساقط کر دیا جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رواج دینے سے مسلمانوں میں رائج ہے تو اسلام میں باقی کیا رہ جائے گا جسے ہم اسلامی تہذیب و تمدن کے سکیں اور جس پر دنیا بھر کے مسلمان مجتمع رہ سکیں۔

## چند مثالیں اور نتائج

مثال کے طور پر دیکھیے۔ یہ اذان جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں ملی شعار ہے، جسے روزے زمین کے ہر گوشے میں ہر روز پانچ وقت مسلم اور کافر سب سنتے ہیں، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے مقرر اور رائج کیا ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی حکم نہیں۔ نہ وہ اس کے الفاظ بتاتا ہے نہ یہ حکم دیتا ہے کہ روزانہ پانچ وقت نمازوں سے پہلے یہ پکار بلند کی جائے۔ اس میں ایک جگہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ:

إِذَا نُودِي لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجَمِيعَةِ فَاسْعُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ  
الجمع 9:62

”جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑ واللہ کی یاد کی طرف۔“  
ظاہر ہے کہ یہ پکار سن کر دوڑنے کا حکم ہے، خود اس پکار کا حکم نہیں ہے، دوسری جگہ اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:

وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخِذُوهَا هُرُواً وَلَعِبًا  
الائد 58:5

”جب نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے مذاق اور کھلیل بنالیتے ہیں۔“  
 یہ سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ صرف ایک رانج شدہ چیز کا مذاق اڑانے پر اہل کتاب کی مذمت کی جا رہی ہے سو ایہ ہے کہ اگر وہ اختیار و اقتدار جس نے اس اذان کے الفاظ مقرر کیے اور اسے مسلمانوں میں رواج دیا، دائیٰ عالم گیر شریعت مقرر کرنے کا مجاز نہ ہوتا تو کیا صرف ان دو آیتوں کی بنیاد پر آج دنیا میں آپ اذان کی آواز کہیں سن سکتے تھے؟ خود یہ نماز باجماعت جس کے لیے اذان دی جاتی ہے، اور یہ نماز جمعہ جس کی پکارن کر دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ عیدین کی نمازیں جو ہزار ہا مسلمانوں کو اکٹھا کرتی ہیں، اور یہ مسجدیں جو دنیا بھر میں مسلم معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہو۔ قرآن صرف نماز کا حکم دیتا ہے، باقاعدہ نماز باجماعت ادا کرنے کا کوئی صاف حکم نہیں دیتا۔ جمعہ کی نماز کے لیے وہ صرف یہ کہتا ہے کہ جب اس کے لیے پکارا جائے تو دوڑ پڑو۔ اسے خود نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم مشکل ہی سے کہا جاسکتا ہے۔ عیدین کی نمازوں کا تو سرے سے اس میں کوئی ذکر ہی نہیں۔ رہیں مسجدیں تو ان کے احترام کا حکم ضرور قرآن میں دیا گیا ہے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ہربستی میں مسجد تعمیر کرو اور اس میں ہمیشہ نماز باجماعت قائم کرنے کا اہتمام کرو۔ یہ ساری چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار و اقتدار کی بنا پر جس کے ساتھ اللہ نے آپ کو شارع مقرر کیا تھا، مسلمانوں میں رانج کی ہیں۔ اگر یہ اختیار و اقتدار مسلم نہ ہوتا تو اسلام کے یہ نایاں ترین شعائر، جن کا مسلمانوں کو جمیع کرنے اور ایک یک رنگ امت بنانے اور اسلامی تہذیب کی صورت گری کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ہے، کبھی قائم نہ ہوتے اور مسلمان آج مسیحیوں سے بھی زیادہ منتشر و پرا گنڈہ ہوتے۔  
 یہ صرف سامنے کی چند مثالیں ہیں۔ ورنہ تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک کتاب ہی ملی ہوتی اور اس کے ساتھ اللہ کے رسول نے آ کر انفرادی زندگی سے لے کر خاندان، معاشرے اور ریاست تک کے

معاملات میں ہمارے لیے تہذیب کی ایک متعین صورت نہ بنادی ہوتی تو آج ہم ایک ممتاز عالم گیر ملت واحده کی حیثیت سے موجود نہ ہوتے۔ اب جو شخص اس رسالت کی شرعی حیثیت اور اس کی قانونی سند کو چیخ کرتا ہے اس کے اس چیخ کی زدایک قربانی کے مسئلے یادو چار منفرد مسئللوں پر نہیں پڑتی، بلکہ اسلامی تہذیب کے پورے نظام اور ملتِ اسلامیہ کی اساس و بنیاد پر پڑتی ہے۔ جب تک ہم بالکل خود کشی پر آ مادہ نہ ہو جائیں ہمارے لیے کسی کی یہ بات ماننا محال ہے کہ جس چیز کی سند قرآن میں ملے ہیں وہی باقی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پر جتنی چیزوں کا مدار ہے وہ سب ساقط کر دی جائیں۔

## سنن، قرآن کی عملی تصریح ہے

اعتراض کی اس غلط بنیاد اور اس کے خطرناک نتائج کو سمجھ لینے کے بعد اب بجائے خود اس مسئلے کو دیکھیے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ قربانی کے متعلق یہ کہنا کہ قرآن میں سرے سے اس کا کوئی حکم ہی نہیں ہے، خلاف واقعہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن وہ اصولی حقائق بیان کرتا ہے جن کی بنا پر انسان کو اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے، اور پھر اس کا عام حکم دے کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس حکم پر عمل درآمد کیسے کیا جائے، اس کی کوئی تصریح وہ نہیں کرتا۔ یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آپ اسی خدا کی ہدایت کے تحت جس نے قرآن آپ پر نازل کیا تھا، اس کی عملی صورت، اس کا وقت، اس کی جگہ اور اس کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ مسلمانوں کو بتائیں اور خود اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ یہ کام تنہ ایک قربانی کے متعلق ہی نہیں، قرآن کے دوسرے احکام کے متعلق بھی حضور نے کیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، وراشت، غرض مسلم معاشرے کے مذہب، تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست، قانون و عدالت اور صلح و جنگ کے تمام معاملات میں یہی کچھ ہوا ہے کہ قرآن نے کسی کے بارے میں مختصر اور کسی کے بارے میں کچھ تفصیل کے ساتھ احکام دیے، یا صرف اشارۃ اللہ تعالیٰ کی مرضی بیان کر دی، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عملی جامہ پہنانے کی صورتیں واضح حدود کے ساتھ متعین فرمائیں، ان پر

خود کام کر کے دکھایا، اور اپنی راہ نمائی میں انھیں رانج کیا۔ کوئی صاحب عقل آدمی اس میں شک نہیں کر سکتا کہ کتابی راہ نمائی کے ساتھ یہ عملی راہ نمائی بھی انسانوں کو درکار تھی اور اس راہ نمائی کے لیے اللہ کے رسولؐ کے سوا کوئی دوسرا نہ موزوں ہو سکتا تھا نہ مجاز۔

## قربانی کے قرآنی احکام اور ان کی حکمت

قرآن میں اس مسئلے کے متعلق جو اصولی باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

- ۱۔ عبادت کی تمام وہ صورتیں جو انسان نے غیر اللہ کے لیے اختیار کی ہیں، دین حق میں وہ سب غیر اللہ کے لیے حرام اور خالصا اللہ تعالیٰ کے لیے واجب کر دی گئیں۔ مثلاً: انسان غیر اللہ کے آگے جھکتا اور سجدے کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کے لیے نماز کی صورت مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے سامنے مالی نذرانے پیش کرتا تھا۔ دین حق نے اسے اللہ کے لیے خاص کر دیا اور اس کی عملی صورت زکوٰۃ مقرر کر دی۔ انسان غیر اللہ کے نام پر روزے رکھتا تھا۔ دین حق نے اسے بھی اللہ کے لیے شخص کر دیا اور اس غرض کے لیے رمضان کے روزے فرض کر دیے۔ انسان غیر اللہ کے لیے تیر تھے یا ترا کرتا اور استھانوں کے طواف کرتا تھا۔ دین حق نے اس کے لیے ایک بیت اللہ بنایا اور اس کا حج اور طواف فرض کر دیا۔ اسی طرح انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک غیر اللہ کے لیے قربانی کرتا رہا ہے۔ دین حق نے اسے بھی غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا اور حکم دیا کہ یہ چیز بھی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ چنانچہ دیکھیے، ایک طرف قرآن مجید اہل لغییر اللہ بہ [المائدہ: 5:3] (جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) اور و مَا ذُبْحَ عَلَى النُّصُبِ [المائدہ: 5:3] (جسے استھانوں پر ذبح کیا گیا ہو) تو طبع حرام قرار دیتا ہے اور دوسری طرف حکم دیتا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِزْ [الکوثر: 2:108] اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر۔
- ۲۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں بھی عطا فرمائی ہیں ان سب کا شکر یہ اس پر واجب

ہے۔ اور یہ شکر یہ ہرنعمت کے لیے قربانی اور نذر انہ کی شکل میں ہونا چاہیے۔ ذہن اور نفس کے عطیے کا شکر یہ اسی شکل میں ادا ہو سکتا ہے کہ آدمی ایمان و طاعت کی راہ اختیار کرے۔ جسم اور اس کی طاقتیوں کا عطیہ یہی شکر یہ چاہتا ہے کہ آدمی نماز اور روزے کی شکل میں اسے ادا کرے۔ مال کے عطیے کا شکر یہ زکوٰۃ ہی کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے، اور زکوٰۃ بھی اس طرح کہ سیم وزر کی زکوٰۃ اسی سیم وزر سے، زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی پیداوار میں سے اور مواثی کی زکوٰۃ انھی مواثی میں سے نکالی جائے۔ اسی طرح اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قدرت بخشی ہے اور ان سے طرح طرح کے بے شمار فائدے اٹھانے کا موقع اس نے دیا ہے۔ اس کے شکر یہ کی بھی یہی صورت ہے کہ انسان ان جانوروں ہی میں سے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی پیش کرے۔ چنانچہ سورہ حج میں قربانی کی ہدایت فرمانے کے بعد اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ﴿كَذِيلَكَ سَخْرُهَا لَكُمْ لَعْلَكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [آل حج: 22] اسی طرح ہم نے انھیں تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جو اقتدار اور تصرف کا اختیار بخشنا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بالادتی اور حاکمیت و مالکیت کا اعتراف کرتا رہے تاکہ اسے کبھی یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہے اور میں ہی اس کا خود مختار مالک ہوں۔ اس بالاتری کے اعتراف کی مختلف شکلیں اللہ کے مختلف عطیوں کے معاملے میں رکھی گئی ہیں۔ جانوروں کے معاملہ میں اس کی شکل یہ ہے کہ انھیں اللہ کے نام پر قربان کیا جائے۔ چنانچہ اسی سورہ حج میں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر فرمایا گیا ﴿كَذِيلَكَ سَخْرُهَا لَكُمْ لِنُثْكِيْرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَذُكُمْ﴾ [آل حج: 37] اسی طرح اللہ نے انھیں تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ تم اس کی بڑائی کا اظہار کرو اس ہدایت پر جو اس نے تحسین بخشی۔

یہی تین وجوہ ہیں جن کی بنا پر قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیشہ سے تمام شرائع الہیہ میں تمام امتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے:

**وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَأَزَّقْهُمْ مِّنْ مَبِينَ الْأَنْعَامِ** اج 34:22

”اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔“

اور یہ طریقہ جس طرح دوسری امتوں کے لیے تھا اسی طرح شریعت محمدی میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی مقرر کیا گیا:

**قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِنَذِلَكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ**

الانعام 162-163

”اے محمد، کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا منا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔“

**فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْخِرْ** الکوثر 108:2

”پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔“

یہ حکم عام تھا جو قربانی کے لیے قرآن میں دیا گیا۔ اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ یہ قربانی کب کی جائے، کہاں کی جائے، کس پر واجب ہے، اور اس حکم پر عمل کرنے کی دوسری تفصیلات کیا ہیں۔ ان چیزوں کو بیان کرنے اور ان پر عمل کر کے بنانے کا کام اللہ نے اپنے رسول پر چھوڑ دیا کیوں کہ رسول اس نے بلا ضرورت نہیں بھیجا تھا۔ کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی غرض یہی تھی کہ وہ لوگوں کو کتاب کے مقصد و منشائے مطابق کام کرنا سکھائے۔

## اوقاتِ قربانی کی تعیین

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کیا شکل متعین فرمائی ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ شکل حضور ہی کی متعین فرمائی ہوئی ہے۔

اولاً: حضور نے یہ بات لوگوں کی مرضی پر نہیں چھوڑ دی کہ فرداً فرداً جس مسلمان کا جب جی چاہے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جانور قربانی کر دے، بلکہ آپ نے تمام امت کے لیے تین دن مقرر فرمادیے تاکہ تمام دنیا کے مسلمان ہر سال انھی خاص دنوں میں اپنی اپنی قربانیاں ادا کریں۔ یہ بات ٹھیک اسلام کے مزاج کے مطابق ہے۔ نماز کے معاملے میں بھی یہی کیا گیا ہے کہ فرض نمازوں کو پانچوں وقت جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا، ہفتے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز لازم کی گئی تاکہ پنج وقت نمازوں سے زیادہ بڑے اجتماعات کی شکل میں مسلمان اسے ادا کریں، اور سال میں دو مرتبہ عیدین کی نمازیں مقرر کیں تاکہ انھیں ادا کرنے کے لیے جمعہ سے بھی زیادہ بڑے اجتماعات منعقد ہوں۔ اسی طرح روزوں کے معاملہ میں بھی تمام مسلمانوں کے لیے ایک مہینا مقرر کر دیا گیا تاکہ سب مل کر ایک ہی زمانے میں یہ فرض ادا کریں۔ اجتماعی عبادت کا یہ طریقہ اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتا ہے۔ اس سے پورے معاشرے میں اس خاص عبادت کا ماحول طاری ہو جاتا ہے جسے اجتماعی طور پر ادا کیا جا رہا ہو۔ اس سے مسلمانوں میں وحدت و یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے خدا پرستی کی اخلاقی و روحانی بنیاد پر مسلمان ایک دوسرے سے متحداً اور دوسروں سے ممیز ہوتے ہیں۔ اور اس سے ہر وہ فائدہ بھی ساتھ ساتھ حاصل ہوتا ہے جو انفرادی طور پر عبادت بجا لانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ثانیاً، اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ایک یوم عید مقرر فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ سب مل کر پہلے دور رکعت نماز ادا کریں، پھر اپنی اپنی قربانیاں کریں، یہ ٹھیک قرآنی اشارے کے مطابق ہے۔ قرآن میں نماز اور قربانی کا ساتھ ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے اور نماز کو قربانی پر مقدم رکھا گیا ہے۔ **إِنَّ صَلَاةً وَنُسُكَيْنَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ**

وَأَنْجُرْ - پھر یہ مسلم معاشرے کی ایک اہم ضرورت بھی پوری کرتی ہے۔ ہر معاشرہ فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اسے کچھ اجتماعی تہوار دیے جائیں جن میں اس کے سب افراد مل کر خوشیاں منا سکیں۔ اس سے ان میں ایک جذباتی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اور تہوار کی یہ خاص صورت کہ اس کا آغاز اللہ کی ایک عبادت، یعنی نماز سے ہو، اور اس کا پورا زمانہ اس طرح گزرے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گھر میں اللہ کی ایک دوسری عبادت یعنی قربانیِ انعام دی جا رہی ہو، اور اس عبادت کے طفیل ہر گھر کے لوگ اپنے دوستوں، عزیزوں، اور غریب ہم سایوں کو ہدیے اور تحفے بھی بھیجتے رہیں، یہ اسلام کی روح اور مسلم معاشرے کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اسلام ناق رنگ اور ہلو لعب اور فست و فجور کے میلے نہیں چاہتا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے معاشرے کے لیے میلبوں کی فطری ماںگ ایسی ہی عید سے پوری کرنا چاہتا ہے جو خدا پرستی، الفت و محبت اور ہم دردی و موساسات کی پاکیزہ رُوح سے لبریز ہو۔

## قربانی کا تاریخی پس منظر

ثالثاً، اس کے لیے حضور نے وہ خاص دن انتخاب فرمایا جس دن تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ زریں کارنامہ حضرت ابراہیم والملیعیل علیہما السلام نے انعام دیا تھا یعنی یہ کہ بوڑھا باپ اپنے رب کا ایک اشارہ پاتے ہی اپنے اکلوتے جوان بیٹے کو قربان کر دینے کے لیے ٹھنڈے دل سے آمادہ ہو گیا، اور بیٹا بھی یہ سن کر کہ مالک اس کی جان کی قربانی چاہتا ہے، چھپری تلے گردن رکھ دینے پر بخوبی راضی ہو گیا۔ اس طرح محض قربانی عبادت ہی نہ رہی بلکہ ایک بڑے تاریخی واقعہ کی یادگار بھی بن گئی جو ایمانی زندگی کے اس منہماً مقصود، اس کے اس آئندی میں مثل اعلیٰ کو مسلمانوں کے سامنے تازہ کرتی ہے کہ انھیں اللہ کی رضا پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ قربانی کا حکم بجالانے اور عید کا تہوار منانے کے لیے سال کا کوئی دن بھی مقرر کیا جا سکتا تھا۔ اس سے دوسرے تمام فوائد حاصل ہو جاتے، مگر یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اس کے لیے اس خاص تاریخ کا انتخاب ”بیک کر شمشہ دوکار“ کا مصدقہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس انتخاب کی یہ وجہ بیان فرمائی

ہے۔ آپ سے پوچھا گیا مامہنیہ الاضاحی، یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ فرمایا: سُنَّةُ أَبِي إِيْكُمْ إِبْرَاهِيمَ، یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (مندرجہ، ترمذی، ابن ماجہ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ کے بعد ہر سال اسی تاریخ کو جانور قربان فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے اس سنت کو زندہ کیا اور اپنی امت کو ہدایت فرمائی کہ قرآن میں قربانی کا جو عام حکم دیا گیا ہے اس کی تعلیل خصوصیت کے ساتھ اس روز کریں جس روز حضرت ابراہیم اپنی اس عظیم الشان قربانی کی یادتازہ کیا کرتے تھے۔ اپنی تاریخ کے یادگار رواقعات کا ”یوم“ دنیا کی ہر قوم منایا کرتی ہے۔ اسلام کا مزاج یادگار منانے کے لیے بھی اس دن کا انتخاب کرتا ہے جس میں دو بندوں کی طرف سے خدا پرستی کے انہائی کمال کا مظاہرہ ہوا۔

## اسے عالم گیر بنانے میں مصلحت

رابعاً، قربانی کے لیے اس دن کے انتخاب میں ایک اور مصلحت بھی تھی ہجرت کے بعد پہلے ہی سال جب حج کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کو یہ بات بری طرح کھل رہی تھی کہ کفار نے ان پر حرم کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس غم کی تلافی اس طرح فرمائی کہ ایام حج کو مدینے میں ان کے لیے ایام عید بنادیا۔ آپ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ ۹۔ ذی الحجه (یعنی یوم الحج) کی صبح سے جب کہ حاجی عرفات کے لیے روانہ ہوتے ہیں، وہ ہر نماز کے بعد اللہُ أَكْبَرُ اللہُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللہُ اللہُ أَكْبَرُ اللہُ أَكْبَرُ وَلِلّهِ الْحَمْدُ کا ورد شروع کریں اور ۱۳۔ ذی الحجه تک (یعنی جب تک جان منی میں ایام تشریق گزارتے ہیں) اس کا سلسلہ جاری رکھیں۔ نیز ۱۰۔ ذی الحجه کو جب کہ حاج مزادفہ سے منی کی طرف پلتئے ہیں اور قربانی اور طواف کی سعادت حاصل کرتے ہیں، وہ بھی دو گانہ نماز ادا کر کے قربانی کریں۔ یہ طریقہ فتح مکہ سے پہلے تک تو مسلمانوں کے لیے گویا ایک طرح کی تسلی کا ذریعہ تھا کہ حج سے محروم کر دیے گئے تو کیا ہوا، ہمارا دل حج میں مشغول ہے اور ہم اپنے گھر ہی میں بیٹھے ہوئے حاج کے شریک حال ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے بعد

اسے جاری رکھ کر عملاً اسے تمام دنیاۓ اسلام کے لیے حج کی توسیع بنادیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہو گئے کہ حج صرف مکہ میں حاجیوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جس زمانے میں چند لاکھ حاجی وہاں مناسک حج ادا کر ہے ہوتے ہیں اسی زمانے میں ساری دنیاۓ اسلام کے کروڑوں مسلمان ان کے شریک حال ہوتے ہیں، ہر مسلمان، جہاں بھی وہ ہے، اس کا دل ان کے ساتھ ہوتا ہے، اس کی زبان اللہ اکبر کی تکبیر بلند کرتی رہتی ہے، وہ ان کی قربانی اور طواف کے وقت اپنی جگہ ہی نماز اور قربانی ادا کر رہا ہوتا ہے۔

## قربانی کی حقیقی روح

خامساً، قربانی کا جو طریقہ حضور نے سکھایا وہ یہ تھا کہ عید الاضحیٰ کی دو گانہ نماز ادا کرنے کے بعد قربانی کی جائے اور جانور ذبح کرتے وقت یہ کہا جائے:

إِنِّي وَجَهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَتَّى يَفَعَلَ  
وَمَمَّا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاةَ تِي وَنُسُكِي وَهَجَيَايَي  
وَهَمَاتِي إِلَلَهُ رَبِّ الْعَلَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِنِيلِكَ أُمْرَثُ  
وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ أَللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

”میں نے یک سو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور قربانی اور میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العلمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سراط اعلیٰ جھکانے والا میں ہوں۔ خدا یا یہ تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔“

ان الفاظ پر غور کیجیے۔ ان میں وہ تمام وجوہ شامل ہیں جن کی بنیاد پر قرآن مجید میں قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں اس بات کا اعلان ہے کہ دیوتاؤں کے لیے قربانیاں

کرنے والے مشرکین کے بر عکس ہم صرف خدائے وحدۃ لا شریک کے لیے قربانی کی عبادت بجالار ہے ہیں۔ ان میں اس بات کا اعلان بھی ہے کہ اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشی ہے اس کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے یہ نذر ہم اس کے حضور پیش کر رہے ہیں۔ ان میں یہ اعلان بھی ہے کہ اس مال کے اصل مالک ہم نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کے جانور ہیں جن پر اس نے ہمیں تصرف کا اختیار بخشنا ہے، اور اس کی کبریائی کے اعتراض میں یہ نذر انہم اس کے حضور گزران رہے ہیں۔ اس میں یہ اظہار بھی ہے کہ جس طرح ہمیں حکم دیا گیا تھا ٹھیک اسی طرح ہم ابھی صرف اللہ کے لیے نماز ادا کر کے آئے ہیں اور اب غالباً اسی کے لیے قربانی کے فرمان کی تقلیل کر رہے ہیں۔ پھر، ان سب سے پڑھ کر، ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ عہدو پیمان بھی ہے کہ ہماری نماز اور قربانی ہی نہیں، ہمارا مرنا اور جینا بھی صرف اسی کی ذات پاک کے لیے ہے۔ اور یہ عہدو پیمان اس تاریخی دن میں کیا جاتا ہے جس دن اللہ کے دو بندوں نے اپنے عمل سے بتایا تھا کہ جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہونے کا مطلب کیا ہے۔

### نبیؐ کی خداداد بصیرت

یہ پانچ نکات جو اور عرض کیے گئے ہیں انھیں ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیے۔ آپ کو ان میں ایک نبیؐ کی خداداد بصیرت اور ہدایت یافتہ حکمت ایسی نمایاں نظر آئے گی کہ اگر اس قربانی کے سنت رسولؐ ہونے کی کوئی اور شہادت موجود نہ ہوتی تو بھی اس کے اس طریقے کی اندر ورنی شہادت خود یہ بتادینے کے لیے کافی تھی کہ اسے اسی خدا کے رسول نے مقرر کیا ہے جس خدا نے قرآن نازل کیا ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کے متعلق جو کچھ اور جتنا کچھ ارشاد فرمایا گیا تھا اسے پڑھ کر کوئی غیر نبی، چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم اور داشمند ہی کیوں نہ ہوتا، اس سے زیادہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کرتا کہ مسلمان وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کی عبادت بجالاتے رہیں۔ وہ کبھی ان ارشادات سے یہ نہشانہ پاسکتا کہ ساری دنیاۓ اسلام کے لیے قربانی کا ایک دن مقرر کیا جائے، اس دن کو یوم العید قرار دیا

جائے، وہ دن حضرت ابراہیم و سملیل علیہما السلام کی قربانی کا دن ہونا چاہیے، وہ دن اور اس کے سابق والاحق ایام زمانہ حج کے بھی مطابق ہونے چاہیے، اور یہ قربانی ایسے طریقے سے ادا کی جانی چاہیے کہ اس سے اسلام کی پوری روح تازہ ہو جائے۔ یہ نشان ایک نبی کے سوا اور کون پاسکتا تھا؟ اس نبی کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا جس پر خدا نے اپنا قرآن نازل فرمایا تھا؟

مگر اس کے سنت رسول ہونے کی اس اندر ونی شہادت کے علاوہ اس کی خارجی شہادتیں بھی اتنی زیادہ اور اتنی مضبوط ہیں کہ بجز ایک ہٹ دھرم آدمی کے کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

### احادیث سے قربانی کا ثبوت

اس کی پہلی شہادت وہ کثیر روایات ہیں جو حدیث کی تمام معتمر کتابوں میں صحیح اور متصل سندوں کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام سے یہ بات نقل کرتی ہیں کہ حضور نے عید الاضحی کی قربانی کا حکم دیا، خود اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں میں اسے سنت الاسلام کی حیثیت سے روان ج دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہوں، چنانچہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتا رہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ اول مانبد ابہ فی یومنا هذان نصلی ثم نرجع فتنحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا۔ ”آج کے دن ہم پہلے نماز پڑھتے ہیں، پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں۔ پس جس نے اس طریقے کے مطابق عمل کیا اس نے ہماری سنت

پالی۔" (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الاضحی یومِ  
یضحی الناس "الاضحی وہ دن ہے جس میں لوگ قربانی کرتے ہیں۔" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ممن وجد سعہؓ فلم یوضھ فلا  
یقربن مصلانا۔ "جو شخص طاقت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ  
آئے۔" (مسند احمد۔ ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ماماً عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحرِ عَمَلاً  
احبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ اهْرَاقِ الدَّمِ۔ "قربانی کے دن آدم کی اولاد کا کوئی فعل اللہ کو اس سے  
زیادہ پسند نہیں کرو ہون ہبھائے۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت بُرْيَدَةُؓ کہتے ہیں کہ عید الاضحی کے دن حضورؐ عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ  
کھاتے پیتے تھے اور واپس آ کر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت جابر بن عبد اللہ النصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ عید الاضحی کی نماز پڑھی، پھر جب آپؐ پلٹے تو آپؐ کے حضور ایک مینڈھا لایا گیا اور  
آپؐ نے اسے ذبح فرمایا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابو داؤد)

امام زین العابدینؑ حضرت ابو رافعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ عید الاضحی کے  
لیے دو موٹے تازے بڑے سینگوں والے چیکبرے مینڈھے خریدتے تھے اور عید کی نماز  
اور خطبے سے فارغ ہونے کے بعد ایک مینڈھا اپنی تمام امت کی طرف سے اور ایک اپنی  
اور اپنی آل کی طرف سے قربان فرماتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ ہی میں ذبح  
اور ذبح فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری، نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد)

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحی میں دو  
چیکبرے بڑے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی (بخاری، مسلم) اور یہی مضمون حضرت

جابر بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ تحقیقی)

برا بن عازب، جندب بن سفیان الْبَجْلَیٰ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایات یہ ہیں، حضور نے فرمایا کہ ”جس شخص نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا اس کی قربانی نہیں ہوئی، اور جو نماز کے بعد ذبح کرے اس کی قربانی ہو گئی اور اس نے سنت مسلمین پر عمل کیا۔“ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

حضرت جابر عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہمیں قربانی کے دن نماز پڑھائی، اس کے بعد کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر حضور سے پہلے قربانی کر لی۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ ”جس کسی نے ایسا کیا ہے اسے پھر قربانی کرنی چاہیے اور کسی کو اس وقت تک قربانی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ نبی اپنی قربانی نہ کر لے۔“ (مسلم، مسند احمد) یہ روایات، اور کثرت دوسری روایات جو احادیث میں آئی ہیں، سب اپنے مضمون میں متفق ہیں، اور کوئی ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی کہیں موجود نہیں جو یہ بتاتی ہو کہ عید الاضحی کی یہ قربانی سنت رسول نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حج کے موقع پر کمک معظمه میں نہ کوئی عید الاضحی منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس لیے ان تمام احادیث میں لازماً صرف اسی عید اور قربانی کا ذکر ہے جو مکہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے۔

## فقہائے اُمّت کا اتفاق

دوسری اہم شہادت عہد نبوت سے قریب زمانے کے فقہائے امت کی ہے جو سب بالاتفاق اس قربانی کو مسنون اور مشروع کہتے ہیں اور کسی ایک فقیہ کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا۔ ان فقہائے زمانے میں تھے جب یہ تحقیق کرنے کے تمام ذرائع موجود تھے کہ یہ کام جو مسلمان کر رہے ہیں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ سنت ہی ہے یا کسی اور کسی راجح کردہ بدعت۔

مثلاً: امام ابوحنیفہؓ کو دیکھیے۔ وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے درمیان صرف ۷ سال کا فاصلہ ہے۔ ان کے زمانے میں بعض طویل العمر صحابہ موجود تھے۔ اور ایسے لوگ تو ہزاروں کی تعداد میں جگہ جگہ پائے جاتے تھے جنہوں نے خلافائے راشدین کا زمانہ دیکھا تھا اور صحابہ کرام کی صحبت پائی تھی۔ پھر کوفہ جو امام صاحب کا وطن تھا، کئی سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ امام صاحب کی پیدائش اور حضرت علیؑ کی شہادت کے درمیان صرف ۳۰ سال کا زمانہ گزرا تھا۔ اس شہر میں ان لوگوں کا شمارہ کیا جاسکتا تھا جو خلیفہ رابع کا عہد دیکھے چکے تھے۔ کیا کوئی شخص قصور کر سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؓ کو یہ تحقیق کرنے میں کوئی مشکل پیش آ سکتی تھی کہ قربانی کا یہ طریقہ کب سے اور کیسے شروع ہوا ہے اور کس نے اسے جاری کیا ہے؟

اسی طرح امام مالکؓ کی مثال بیجیے۔ وہ ۹۳ھ میں مدینۃ طیبہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ساری عمر گزاری۔ اس شہر میں سیکڑوں خاندان ایسے موجود تھے جن کے بڑے بوڑھوں اور بڑی بوڑھیوں نے خلافتِ راشدہ کا عہد دیکھا تھا، صحابہ کرامؓ کی گودوں میں پرورش پائی تھی، اور جن کے اپنے بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتے تھے۔ کیا کوئی شخص باور کر سکتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اتنی قلیل مدت میں عہد نبوی کی روایات گم کر چکے تھے اور وہاں کوئی یہ بتانے والا نہ تھا کہ عید الاضحیٰ کی یہ قربانی کس نے راجح کی ہے؟

یہی حال پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تمام فقهاء کا ہے۔ وہ سب عہد نبوت سے اتنے قریب زمانے میں تھے کہ ان کے لیے سنت اور بدعت کی تحقیق کرنا کوئی بڑا مشکل کام نہ تھا اور وہ آسانی کے ساتھ اس غلط فہمی میں بتلانہ ہو سکتے تھے کہ جو چیز سنت نہ ہو اسے سنت سمجھ بیٹھیں۔

### اُمّت کا تواتر عمل

تیسرا اہم ترین شہادت اُمت کے متواتر عمل کی ہے۔ عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی جس روز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کی اُسی روز سے وہ مسلمانوں میں عملاً راجح

ہو گئی اور اس وقت سے آج تک تمام دنیا میں پوری مسلم امت ہر سال مسلسل اس پر عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس کے تسلسل میں کبھی ایک سال کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ ہر سل نے پہلی نسل سے اسے سنتِ اسلام کے طور پر لیا ہے اور بعد والی نسل کی طرف اسے منتقل کیا ہے۔ یہ ایک عالم گیر عمل ہے جو ایک ہی طرح دنیا کے ہر اس گوشے میں ہوتا رہا ہے جہاں کوئی مسلمان پایا جاتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا متواتر عمل ہے جس کی زنجیر ہمارے عہد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اس طرح مسلسل قائم ہے کہ اس کی ایک کڑی بھی کہیں سے غائب نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ویسا ہی تو اتر ہے جس تو اتر سے ہمیں قرآن پہنچا ہے اور یہ خبر پہنچی ہے کہ چودہ سو سال پہلے عرب میں محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (مبعوث ہوئے تھے۔ کوئی فتنہ پرداز اس تو اتر کو بھی اگر مشکلوں ٹھہرا دے تو پھر اسلام میں کیا چیز شک سے حفظ و رہ جاتی ہے۔

اس معاملے کی اصل نوعیت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری تاریخ کا کوئی ڈور ایسا گزر اہو جس میں قربانی اور اس کی عید رانج نہ رہی ہو، پھر کسی قدیم نوشتے میں اس کا حکم لکھا ہو اُل گیا ہوا اور کچھ ملاوں نے اٹھ کر لوگوں سے کہا ہو کہ دیکھو فلاں جگہ ہمیں یہ لکھا ملا ہے الہذا اے مسلمانو! آ وہم عید الاضحیٰ منایا کریں اور اس میں جانوروں کی قربانی دیا کریں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تاریخ میں کہیں اس کا سراغ ملتا کہ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا اور کون لوگ اس کے ذمے دار تھے۔ پھر کسی ملا کی کبھی مسلمانوں میں یہ حیثیت نہیں رہی کہ وہ کسی پرانے نوشتے سے ایک حکم نکال کر دکھائے اور تمام دنیا کے مسلمان بالاتفاق اور بے چون و چر اس کی بات مان کر اس کی پیروی شروع کر دیں اور کوئی یہ نوٹ تک نہ کرے کہ یہ طریقہ پہلے ہم میں رانج نہ تھا، فلاں ملا صاحب کے کہنے سے اب حال ہی میں اس پر عمل شروع ہوا ہے۔

### ہماراً اخلاقی انجھطا

یہ تین قسم کی شہادتیں ایک دوسری سے پوری طرح مطابقت کر رہی ہیں۔ حدیث کی

کثیر التعداد مستند و معتبر روایات، امت کے تمام معتمد علیہ فقہا کی تحقیقات، اور پوری امت کا مسلسل و متواتر عمل، تینوں سے ایک ہی بات ثابت ہو رہی ہے۔ اس کے بعد اس امر میں کس شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مقرر کیا ہوا ہے؟ اب اگر اس کے مقابلے میں کسی شخص کے پاس کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کی شہادت بھی ایسی ہے جس سے وہ یہ ثابت کر سکے کہ یہ حضورؐ کا مقرر کیا ہوا نہیں ہے، تو وہ اسے سامنے لائے اور ہمیں بتائے کہ اسے کب، کس ملانے، کہاں گھٹرا اور کیسے تمام دنیا کے مسلمان اتنا بڑا دھوکا کھا گئے کہ اسے سنت رسولؐ مان لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ذہنی اخبطاط اور اخلاقی تنزل کی اس سے زیادہ شرم ناک تصویر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہمارے درمیان جو شخص چاہتا ہے اٹھ کر ہمارے دین کے بالکل ثابت شدہ، مسلم اور متفق علیہ حقائق کو، بلکہ اس کی بنیادوں تک کوئے تکلف چیز کر دیتا ہے اور دیکھتے دیکھتے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں، حالانکہ اس کے پاس اس کے اپنے مجرّد دعوے کے سوانح کوئی دلیل ہوتی ہے نہ شہادت۔

## مخالفین کے دلائل کا دینی تجزیہ

لے دے کر بس یہ ایک بات عوام کو فریب دینے کے لیے بڑی وزنی سمجھ کر بار بار پیش کی جاتی ہے کہ قربانی پر ہر سال لاکھوں روپیہ "ضائع" ہوتا ہے، اسے جانوروں کی قربانی کی بجائے رفاه عام یا قومی ترقی کے کاموں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات کئی وجہ سے غلط ہے۔

اول یہ کہ جس چیز کا قرآن اور سنت سے حکم خدار رسول ہونا ثابت ہوا س کے بارے میں کوئی مسلمان..... اگر وہ واقعی مسلمان ہے..... یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اس پر مال یا وقت یا محنت صرف کرنا اسے ضائع کرنا ہے۔ ایسی بات جو شخص سوچتا ہے وہ ان سب سے زیادہ قیمتی چیز، یعنی اپنا ایمان ضائع کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کی نگاہ میں رفاه عام اور قومی ترقی کے کاموں کی بھی ایک قیمت

ہے، مگر ان سے بدر جہاز یادہ قیمت اس کی نگاہ میں اس بات کی ہے کہ مسلمان شرک سے ہر طرح محفوظ ہوں، توحید پر ان کا عقیدہ ہر لحاظ سے خیال اور عمل میں مستحکم ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی کبریائی کا اعتراف اور اس کی عبادت و بندگی بجالانے کی عادت ان کی زندگی میں پوری طرح جڑ پکڑے رہے، اور وہ اللہ کی رضا پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد رہیں۔ ان مقاصد کے لیے جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسول نے ضروری قرار دیا ہے ان میں سے ایک یہ قربانی بھی ہے۔ اس پر مال کا صرف رفاه عام اور قومی ترقی کے ہر کام سے بہت زیادہ قیمتی کام پر صرف ہے۔ اسے ضیاع صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کی قدر یہ اسلام کی قدروں سے اصلاً مختلف ہو چکی ہیں۔

تیسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس عبادت کی جو شکل مقرر کر دی ہے، کوئی چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی، الایہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بحق نے خود ہی دو یا تین متبادل صورتیں تجویز کر کے ہمیں ان میں سے کسی ایک کا اختیار دے دیا ہو۔ ہمارا فرض ہر حکم کو اسی صورت میں بجالانا ہے جو شارع نے اس کے لیے مقرر کی ہے۔ ہم خود مختار بن کر اس کا بدل آپ ہی آپ تجویز نہیں کر سکتے۔ نماز کی بجائے اگر کوئی شخص اپنی ساری دولت بھی خیرات کر دے تو وہ ایک وقت کی نماز کا بدل بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قربانی کی بجائے آپ خواہ کوئی بڑی سے بڑی نیکی بھی کر ڈالیں، وہ عید الاضحیٰ کے تین دنوں میں جان بوجھ کر قربانی نہ کرنے کا معاوضہ ہرگز نہ بن سکے گی، بلکہ اگر یہ حرکت اس نظریے کی بنا پر کی جائے کہ اس عبادت کے لیے ہم نے خدا اور رسول کی مقرر کردہ صورت سے بہتر صورت تجویز کی ہے تو یہ نیکی کیسی، ایک بدترین معصیت ہو گی۔

### اجتماعی نقطہ نظر سے جائزہ

پھر زرادی نی نقطہ نظر سے ہٹ کر محض اجتماعی نقطہ نظر سے بھی اس ”ضیاع“ کے عجیب تصور پر غور کیجیے۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اپنی تقریبات پر، اپنے میلیوں پر، اور

اپنے قومی اور بین الاقوامی تہواروں پر لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف نہ کرتی ہو۔ ان چیزوں کے تہذی و اجتماعی اور اخلاقی فوائد اس سے بہت زیادہ ہیں کہ کوئی قوم محض دولت کے گز سے انھیں ناپے اور روپے کے وزن سے انھیں تو لے۔ آپ یورپ اور امریکا کے کسی سخت مادہ پرست آدمی کو بھی اس بات کا قائل نہیں کر سکتے کہ کسمس پر ہر سال جو بے شمار دولت ساری دنیاۓ عیسائیت مل کر صرف کرتی ہے یہ روپے کا ضیاع ہے۔ وہ آپ کی اس بات کو آپ کے منہ پر مار دے گا اور بلا تامل یہ کہے گا کہ دنیا بھر میں مٹی ہوئی بے شمار فرقوں اور سیاسی توبیتوں میں تقسیم شدہ مسیحی ملت کو اگر ایک بین الاقوامی تہوار بالاتفاق منانے کا موقع ملتا ہے تو اس کے اجتماعی اور اخلاقی فوائد اس کے خرچ سے بہت زیادہ ہیں۔ ہندوؤں جیسی زر پرست قوم تک اپنے میلوں اور تہواروں کو اس مال کی میزان میں تولنے کے لیے تیار نہیں ہے جو ان تقریبات پر صرف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چیزان کے اندر وحدت پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہ نہ ہتوان کے تفرقے اور اختلافات اور طرح طرح کے باہمی امتیازات اتنے زیادہ ہیں کہ وہ کبھی جمع ہو کر ایک قوم نہ بن سکیں۔ یہی معاملہ ان دوسری اجتماعی تقریبات کا ہے جو دنیا کی مختلف قومیں وقت فوتا مشترک طور پر مناتی ہیں۔ ہر ایک تقریب اپنی ایک محسوس صورت چاہتی ہے اور اس صورت کو عمل میں لانے پر بہت کچھ صرف ہوتا ہے۔ مگر کوئی قوم بھی یہ حماقت کی بات نہیں سوچتی کہ بس ہسپتاں، مدرسے اور کارخانے ہی ایک چیز ہیں جن پر سب کچھ لگ جانا چاہیے اور یہ تہوار اور تقریبات سب فضول ہیں۔ حالانکہ دنیا کی کسی قوم کی تقریبات اور تہواروں میں وہ بلند اور پا کیزہ روحانی، اعتقادی اور اخلاقی روح موجود نہیں ہے جو ہماری عید الاضحی میں پائی جاتی ہے، اور کسی تہوار اور تقریب کے منانے کی صورت ہر طرح کے شرک و فتن اور مکروہات سے اس درجہ خالی نہیں ہے جتنی ہماری عیدیں ہیں۔ اور کسی تہوار کے متعلق، کسی قوم کے پاس خدا کی کتاب اور اس کے رسول کا حکم موجود نہیں ہے جیسا ہمارے پاس ہے۔ اب کیا ہم مادہ پرستی میں سب سے بازی لے جانے کا عزم کر چکے ہیں؟

اور یہ قربانی پر روپیہ "ضائع" ہونے کا آخر مطلب کیا ہے؟ یہ کہاں ضائع ہوتا ہے؟ قربانی کے لیے جوانوں خریدے جاتے ہیں ان کی قیمت ہماری ہی قوم کے ان لوگوں کی جیبوں میں تو جاتی ہے جوان جانوروں کو پالتے اور ان کی تجارت کرتے ہیں۔ اسی کا نام اگر ضائع ہونا ہے تو اپنے ملک کے سارے بازار اور سب دکانیں بند کر دیجیے، کیوں کہ ان سے مال خریدنے پر کروڑوں روپیہ روز ضائع ہو رہا ہے۔ پھر جوانوں خریدے جاتے ہیں کیا وہ زمین میں دفن کر دیے جاتے ہیں یا آگ میں جھوک دیے جاتے ہیں؟ ان کا گوشٹ انسان ہی تو کھاتے ہیں۔ یہ اگر ضیاع ہے تو سال بھر انسانی خوراک پر جو کچھ صرف ہوتا رہتا ہے اس کے بند کرنے کی بھی کوئی سنبیل ہونی چاہیے۔

اب کچھ لوگوں نے یہ محسوس کر کے کہ یہ ضائع ہونے کی بات چلتی نظر نہیں آتی، یہ افسانہ تراشنا ہے کہ بقر عید میں بہت سا گوشٹ سڑک پہک جاتا ہے۔ حالانکہ ہم بھی اس ملک میں ایک مدت سے جی رہے ہیں، ہمیں تو کبھی سڑک پر گوشٹ کے ڈھیر نظر نہیں آئے۔ وہ بتائیں انھیں کہاں ان کا دیدار میسر ہوا ہے۔

حال میں ایک اور آواز اٹھی ہے کہ ملک میں روز بروز جانوروں کی کمی ہوتی جا رہی ہے اور اسی وجہ سے دودھ اور گھی کی فراہمی بھی کم ہو رہی ہے۔ حکومت نے اسی لیے ہفتہ میں ایک کی بجائے دو دن گوشٹ کاناگم کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر اس سے بھی کام نہ چلا۔ اب شاید اسے بڑھا کر جلدی ہی تین دن ناغہ کرنا پڑے۔ اس حالت میں بقر عید کی قربانی پر پابندی لگانا ناگزیر ہے۔ کیوں کہ اگر اسی طرح ہزار ہا جانور اس موقع پر کٹتے رہے تو جانوروں کا، اور اس کے ساتھ دودھ گھی کا بھی قحط و نما ہو جائے گا۔

جہاں تک جانوروں کی کمی کا تعلق ہے، اسے بڑھا کر قحط کی حد تک نوبت پہنچادینے کا غالباً اس سے زیادہ کارگر نہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ان کی کھپت روز بروز کم کی جاتی رہے۔ کیوں کہ جانور پالنے والے بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی روز بروز گلہ بانی کے پیشے سے دست کش ہوتے چلے جائیں گے۔ جب ان کے مال کی مانگ اس قدر کم ہو جائے کہ سال بھر

میں ۱۵۶ دن تک ویسے ہی اس کی فروخت بذریعہ، اور سال کے وہ تین دن بھی، جن کی امید میں وہ ہزار ہاجانور پورے سال پالتے رہتے تھے، ان کے لیے کساد بازاری کی نذر ہو جائیں، تو ظاہر ہے کہ ان کے لیے اس کام میں کوئی کشش باقی نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی روزی کسی اور کام میں تلاش کرنے پر مجبور ہوں گے اور جانور پارانا کم کرتے چلے جائیں گے۔ پھر جب جانوروں کی فراہمی میں مزید کمی واقع ہوگی اور ہمارے ضرورت سے زیادہ عقل مند مدبرین ہفتہ میں مزید چند روز گوشت بند کر کے اور بقیر عید کی قربانی بالکل منوع کر کے اس کا مداوا فرماتے رہیں گے تو ایک روز آپ سے آپ یہ ملک اپنا کا گھوارہ اور خوبی مت کی جنت بن کر رہے گا۔ نہ معلوم ان حضرات کو کس حکیم نے یہ مشورہ دیا ہے کہ جانوروں کی کمی کا علاج ان کی افزائش نسل کے لیے سہوتیں بہم پہنچانے اور گلہ بانی کی ہمت افرادی کرنے کی بجائے بازار میں اس جنس کی مانگ کم کرتے چلے جانا ہے۔

رہی دودھ اور گھنی کی کمی، تو اس کا رشتہ جانوروں کے ذبیح سے لے جا کر جوڑنا صرف ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو اس ملک میں باہر سے آ کر حکم رانی کرنے والوں کی طرح رہتے ہیں۔ بالکل ایک غیر ملکی مبصر کی طرح انہوں نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر قیاس فرمایا کہ ضرور دودھ دینے والے جانور ہی دھڑا دھڑڑنچ کیے جا رہے ہوں گے، تب ہی تو ملک میں دودھ اور گھنی کی فراہمی کم ہو رہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ اس ملک میں چل پھر کر معلوم کرتے کہ یہاں دودھ دینے والے جانوروں کی قیمتیں کیا ہیں، اور گوشت کا نرخ کیا ہے، اور یہاں کے ایک جانور میں اوس طاً کتنا گوشت نکلتا ہے، تو انھیں خود معلوم ہو جاتا کہ صرف وہی قصاب دودھ دینے والا جانور کاٹ کر گوشت بیچ سکتا ہے جو کچھ کمانے کی بجائے اپنے گھر سے خریداروں کو کھلانے کی پاکیزہ نیت رکھتا ہو، اور صرف وہی شخص بقیر عید میں دودھ دینے والا جانور خرید کر قربان کر سکتا ہے جس کی ماہوار آمدنی سیکڑوں سے مجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہو۔

## معترضین کے چند مزید سہارے

حال میں ایک صاحب نے کچھ شرعی سہارے اس غرض کے لیے تلاش کیے ہیں کہ قربانی بند نہ سہی محدود ہی ہو جائے اور حکومت اسے محدود کر کے حد مقرر سے زائد قربانیوں کا روپیہ خیراتی کاموں میں صرف کرنے کا انتظام کر دے۔ ان سہاروں کی نوعیت بھی ملاحظہ فرمائیجیے۔

وہ کہتے ہیں کہ قربانی صرف امام ابوحنفیہ کے نزد دیک واجب ہے، باقی ائمہ دین اسے صرف سنت مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بات بھی غلط ہے کہ اسے صرف امام عظیم واجب قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی غلط کہ باقی ائمہ اسے سنت اس معنی میں مانتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ جن ائمہ نے اسے واجب قرار دیا ہے ان میں امام مالک<sup>ع</sup> اور امام اوزاعی<sup>ع</sup> بھی شامل ہیں، اور امام شافعی وغیرہ جنہوں نے اسے سنت مانا ہے وہ سب اسے سنت موکدہ کہتے ہیں جس کا ترک جائز نہیں۔

ان کا بیان ہے کہ شارع کا منشاء قربانی کو محدود کرنا تھا کیوں کہ حضور نے قربانی کا حکم صرف ذی استطاعت لوگوں کو دیا ہے اور حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے کہ علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیہ و عتیرہ (ہر گھر کے لوگوں پر ہر سال ایک قربانی بقرعید کی اور ایک رجب کی لازم ہے)۔ حالانکہ تمذی کے بقول یہ حدیث غریب اور ضعیفالسند ہے اور ابو داؤد نے صراحت کی ہے کہ رجب کی قربانی کا حکم حضور نے منسوخ فرمادیا تھا۔ تاہم اس بحث کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ شارع نے ایک چیز کو لازم کرتے ہوئے اگر اس کی ایک کم از کم حد مقرر کی ہو تو کیا واقعی اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شارع اس پر عمل کو محدود کرنا چاہتا ہے؟ نماز صرف پانچ وقت کی چند رکعتیں فرض ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ شارع نماز کو محدود رکھنا چاہتا ہے اور فرض رکعتوں سے زیادہ پڑھنا سے پسند نہیں؟ روزے صرف رمضان کے فرض ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کو محدود کرنا ہی مقصود ہے اور زائد روزے ناپسندیدہ ہیں؟ زکوٰۃ کی ایک محدود مقدار صرف

